ولی دکنی کا پیکرِ محبوب

ڈاکٹر عائشہ سلیم، اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ اُردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، لاہور

Abstract

Wali Dakni is prominant urdu classical poet. In his Ghazal the picture of beloved has been captured in various literary styles. In this article above mentioned depiction is discussed.

اسلام کی آمد و ابتداء کے ساتھ ہی قصیدہ عرب سے ایران پہنچا اور یہیں سے قصیدے سے غزل پیدا ہوئی۔ جس کا باقاعدہ آغاز فارسی شاعر رودکی نے کیا۔ یہی وجہ ہے کہ غزل کے زمانۂ تخلیق میں شدید و تند عربی تہذیب کے ساتھ رنگین و رعنا اور سرمست و رندی ایرانی تہذیب و معاشرت کے امتزاج نے ایک نئی معتدل کیفیت پیدا کر دی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ غزل جوش و ولولے اور شاہانہ اندازِ زندگی سے ہم آہنگ ہوئی۔ غزل کا ظہور قصیدے کی تشبیب سے ہوا۔ یہ ایرانی شاہیت کا عہد تھا۔ قصیدے کی صنف براہِ راست دربار سے منسلک تھی۔ اب غزل کی تخلیق و پرورش بھی شاہانہ ماحول میں ہوئی۔ لہٰذا غزل میں شاہی تعیش و نشاط پرستی نے جگہ لے لی۔ گویا عشق عاشقی کے مضامین حُسن پرستی اور ادائے نازنیں سے لے کر کسی پری پیکر کے حسنِ دلفریبی و نازک بدنی پر تمام ہوئے۔ تقریباً آٹھ نو سو برس ایران میں عروج پانے کے بعد غزل ہندوستان وارد ہوئی۔ یہاں بھی پہلے فارسی شعراء نے اسے برتا پھر بعد میں جب غزل سے محبوب کے حوالے اور محبت کی سمتیں تبدیل ہوئیں تو اگرچہ محبوب بدلا مگر سراپا نگاری بدستور قائم رہی۔ اسی اعتبار سے بے حد اہم شاعر ولی دکنی ہے۔ اس نے صرف لذت اُٹھانے کے لیے غزل گوئی نہیں کی بلکہ اس کے اصل مزاج کو سمجھا اور برتا ہے۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ ولی کے ہاں محبوب کی سراپا نگاری جس خوبصورتی و تسلسل سے ہے، وہ کسی اور کے ہاں نہیں۔ وہ محبوب کے تمام تر خدّ و خال کو عیاں کرنے کے باوجود عریانی کی طرف مائل نہیں ہوتے۔

؎ تجھ چال سوں نہیں دل ہے مرا واقف اے ناز بھری چنچل ٹک بھاؤ بتاتی جا
؎ تجھ عشق میں جل جل کر سب تن کو کیا کاجل یہ روشنی افزا ہے انکھیا کوں لگاتی جا[۱]

یہ اصل ہے کہ شمالی ہندوستان کو مسلمانوں نے اپنا مرکز بنایا تھا مگر انہوں نے ایک ہی جگہ اکتفا نہ کیا بلکہ وہ دیگر علاقوں میں بھی پہنچے اور اپنی روایات و اثرات کو پھیلایا۔ اس سلسلے میں ان کی فتوحات اور پھر صوفیوں نے اہم کردار ادا کیا۔ صوفیوں نے محبت کے پیغامات پھیلائے۔ ایک طرف مقامی باشندوں پر یہ محبت اور پھر مسلمانوں کی تہذیب بہت زیادہ اثر انداز ہوتی تو دوسری جانب مقامی تہذیب نے مسلمانوں پر اپنے اثرات مرتب کیے۔ جبکہ

اکثر صوفیاء کے ہاں مقامی رنگ واضح نظر بھی آتا ہے۔

دکن میں مسلمان بادشاہت اور صوفی ازم سے ایک نیا تہذیبی عمل وجود میں آیا۔جس میں ایرانی تہذیب و روایات رچ بس گئے تھے۔دکن کبھی بھی شمالی ہندوستان کے ماتحت نہیں رہا۔اس کی وجہ ایک تو اس کا مرکز سے بہت دور ہونا تھا۔دوسرا یہاں ہمیشہ خودمختار حکومتیں قائم رہیں۔بہمنی سلطنت کے بعد تو اس کے حاکمان نے ہمیشہ اپنے آپ کو شمالی ہندوستان سے الگ اور آزاد رکھنے کی مساعی کیں۔قطب شاہی اور عادل شاہی حکمران،مغلوں کے مقابلے میں ہمیشہ الگ تھلگ بلکہ مغلوں کے لیے خطرے کا باعث رہے۔ان کے مابین جنگیں بھی ہوئیں۔جن میں مغلوں نے زورآور حملے تو بہت کیے مگر ان کو زوال بھی انہی کی بدولت آیا۔جبکہ اس سیاسی رقابت اور چشمک نے اپنے عہد و معاشرت اور تہذیب پر گہرے اثرات مرتب کیے۔اسی زمانے میں اُردو شعر و ادب کو فروغ میں رہا تھا۔ گویا حالات نے ان پر بھی اپنے ہمہ گیر اثرات چھوڑے۔

شمالی ہندوستان میں مغل حکومت کے تحت ایرانی کلچر و ثقافت بامِ عروج پر پہنچے۔فارسی زبان و ادب کو فروغ ہوا اور یہ ہر فرد میں اس شدت سے اثر انداز ہونے لگے کہ مقامی تہذیب دم توڑنے لگی۔اسی عہد میں فارسی سرکاری زبان ٹھہری۔گو کہ اُردو زبان کا آغاز ہو چکا تھا مگر فارسی کے آگے اس کی کوئی اہمیت و وقعت نہ تھی۔رفتہ رفتہ اُردو پروان چڑھی تو فارسی کا اس پر سب سے گہرا اثر ہوا۔یہاں کے مقامی باشندوں پر ایرانی روایات کا اس قدر غلبہ رہا کہ باوجود اُردو کے وجود کے، فارسی زبان و تہذیب کو چھوڑنے پر کوئی آمادہ نہ تھا۔اس کے برعکس دکن میں فارسی زبان و روایات کا کچھ کچھ اثر تھا مگر اس کے زیادہ اثرات مرتب نہ ہوئے تھے۔اس کی وجہ دکنی حکومتوں کا مغلوں سے اختلاف تھا۔کچھ دکنی باشندے بھی اپنے آپ کو مغلوں سے علیحدہ رکھنے اور ظاہر کرنے کی کوشش کرتے تھے۔یہاں ایرانی تہذیب کو الوداع کہا گیا تو ایسے میں شعوری طور پر اُردو زبان کو فروغ حاصل ہوا۔فارسی کی نسبت یہاں ہندی اور بھاشا زبان کے اثرات نسبتاً زیادہ رہے جبکہ شعر و ادب میں غیر شعوری طور پر ہندی مزاج دَر آیا۔

یہی وجہ ہے کہ غزل کا باقاعدہ آغاز دکن سے نہیں ہوا۔ایرانی تہذیب سے اجتناب کے سبب ایرانی صنف یعنی غزل سے بھی دوری اختیار کی گئی۔قطعِ نظر اس سے کہ مغلوں نے دکن پر پے در پے حملے کیے اور یہاں کی معاشرت میں انتشار پیدا کیا، یہاں کی زندگی بہت پُر نشاط و عیش پسندانہ تھی۔ویسے بھی اس طرح کے ماحول میں غزل کا پیدا ہونا مناسب نہ تھا۔اس تعیش پرستانہ زندگی کی عکاسی اور جزوئیات نگاری مثنوی میں تو ہو سکتی ہے اور ہوئی بھی جبکہ غزل اپنی رمزیت و ایمائیت اور اختصار پسندی جبکہ ایرانی تہذیب و روایات سے رقابت کے سبب ایک طویل عرصہ تک جنم نہ لے سکی۔البتہ کچھ شعراء نے غزل میں تجربات کیے مگر ان کا انداز غزل کی عام روایات سے کچھ واسطہ نہیں رکھتا۔اس عہد کی غزل میں عشق کا اظہار عورت کی جانب سے ہے جبکہ مقامی رنگ خاصا جھلکتا ہے۔

یہ وہ عہد تھا کہ جب دکن میں ولؔی اور سراج جیسے بڑے شاعر پیدا ہوئے۔ولؔی کے دیوان سے قبل اُردو غزل کے لیے کوئی باقاعدہ معیارات اور روایات نہ تھے البتہ فارسی شاعری سے فیض اُٹھایا جا رہا تھا۔جس دور میں

اُردو غزل پروان چڑھی،اس وقت سیاست وسماج،تہذیب واقدار زوال کا شکار تھے۔ ہر طرف کرب وانتشار، بے چینی اور افراتفری و پریشاں حالی تھی۔اسی عہد میں مغلوں نے دکن کو فتح کر کے یہاں اپنی حکومت قائم کی۔ دکنی حکومتوں کا سلسلہ ختم ہو چکا تھا۔ گویا وہ انفرادیت بھی کمزور ہوگئی جو دکنوں نے شمالی ہندوستان کے بادشندوں کے مقابلے میں قائم کی تھی۔اب تو شمالی ہندوستان کے اثرات دکن میں پھیلنے لگے تھے یعنی فارسی کے اثرات سے اب دکن ہی بچ نہ پایا تھا۔شعروادب کا انداز بدل گیا۔ادھر دکن کی عام تعیش پسندانہ زندگی کا بھی خاتمہ ہوگیا تھا۔ یکدم عیش پرستی اور مقامی حکومت کے اختتام کے پیشِ نظر دکن کے عوام رنجیدہ، پریشاں حال اور الجھنوں کا شکار ہو گئے تھے۔

شمالی ہندوستان میں اُردو کی باقاعدہ ابتداء مغل عہد سے قبل شروع ہو چکی تھی۔اس تناظر میں امیر خسروؒ کو اُردو کا پہلا شاعر تسلیم کیا جاتا ہے۔ان سے وہ مشہور غزل منسوب ہے جس کا ایک مصرع فارسی میں جبکہ دوسرا اُردو میں ہے۔اگر اس غزل پر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اس میں فارسی کے ساتھ ساتھ ہندی زبان کی بھی آمیزش ہے۔ گویا اس ابتدائی دور میں دکن کے علاوہ شمالی ہندوستان میں بھی ہندی و فارسی سے مرکب زبان مصروف ہونے لگی تھی، مغلیہ عہد کے دورِ آخر میں جب اُردو کو خاصا فروغ حاصل ہو چکا تھا تو کچھ شعراء از راہِ دل لگی اُردو میں شعر کہنے لگے تھے۔ ورنہ اس عہد تک اس زبان کو سنجیدہ نہیں لیا گیا تھا۔اس عہد کے ابتدائی اُردو غزل کے شعراء میں بیدل،سلیمان قلی خاں،موسوی خاں فطرت اور سراج الدین علی خاں آرزو کے نام اہمیت کے حامل ہیں۔

شمالی ہند کی اُردو غزل کے آغاز میں ہی فارسی کی آمیزش سے ریختہ گوئی نے جنم لیا۔جعفر زٹلی،سید عطا، افضل جھنجانوی وغیرہ نے ریختہ گوئی میں طبع آزمائی کی۔سراج الدین علی خان آرزو نے اگرچہ بہت کم شاعری کی مگر ریختہ گوئی میں خاص مقام حاصل کیا۔ان ہی کی شاگردی میں شاہ مبارک آبروؔ،مضمونؔ، نیرنگؔ،آنند رام مخلص اور ٹیک چند بہار جیسے بڑے نام آئے۔علاوہ ازیں اُردو غزل گوئی کی ترویج میں نواب ذوالفقار قلی خاں درگاہ، میر غلام علی آزاد بلگرامی، فائز دہلوی اور راجہ رام نرائن کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ درحقیقت اُردو کا باقاعدہ آغاز شمالی ہندوستان کی سرزمین سے ہوتا ہے مگر اس کے فروغ ونشوونما میں دکن کا نام اہمیت کا حامل ہے۔اُردو کی بنیاد میں شمالی ہندوستان خصوصاً دلّی کا ہاتھ ہے مگر یہ کہ اُردو کے لیے دکن کا ماحول زیادہ مناسب اور خوشگوار ٹھہرا۔اس کا ثبوت قائمؔ کی اس تحریر سے ملتا ہے کہ:''ریختہ گفتن بہ زبانِ دکنی رواج یافتہ۔''[۲]

بقول میر تقی میرؔ:

؎ خوگر نہیں کچھ یونہی ہم ریختہ گوئی کے معشوق جو تھا اپنا باشندہ دکن کا تھا[۳]

دکن وہ جگہ ہے جہاں سب سے پہلے غزل کا ہندیائی ورومانوی رنگ واضح ہوتا ہے۔مختلف ثقافتوں اور پھر مختلف بولیوں اور زبانوں کے اختلاط کے سبب نئی تہذیب وزبان وجود میں آئیں۔ اُردو غزل میں سراپا نگاری پورے طور سے عروج پر تھی۔محبوب کے پیکر کو تفصیلاً بیان کیا جارہا تھا۔ ولیؔ کے بعد شمالی ہند میں فرضی محبوب اور اس کا سراپا عام ہے۔جبکہ قطب شاہی شعراء کے ہاں اصل محبوب اور سراپا بھی بالکل حقیقی ہے۔ان شعراء نے عاشق مزاج

ہونے کے سبب فرضی معشوق اور اس کے سراپا کے بجائے اصلیت کو بیان کیا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی دکنی عہد کے حوالے سے رقمطراز ہیں کہ:

''اس دور میں غزل کے ذریعے محبوب کی ہر ہر ادا اور جسم کے خدوخال بیان کیے جا رہے ہیں اور عشق کا کُھل کر اظہار کیا جا رہا ہے۔ شاید ہی عشق کے کھیل کا کوئی پہلو ایسا ہو جس کا اظہار اس دور کی غزل میں نہ ہوا ہو۔''[۴]

جبکہ ساحل احمد کہتے ہیں کہ:

''اُردو غزل کی نشوونما پر نگاہ ڈالتے ہی سب سے پہلے اس مثالی خطّہ کی طرف نگاہ اُٹھتی ہے جو اپنی تہذیب و معاشرت، علمی سرپرستی، رقص و مصوری اور یکجہتی کی اعلیٰ روایتوں کی امین ہے۔ علم و ادب کا وہ گہوارہ ''دکن'' کے نام سے مشہور و معروف ہے جہاں سب سے پہلے غزل کا غنائی لب و لہجہ اپنے ہندیائی اور رومانی تیوروں کے ساتھ گونجا تھا۔ یہی وہ علاقہ ہے جہاں مختلف ثقافتوں کی نشوونما ہوئی۔ مختلف زبان بولنے والوں کے اختلاط و ارتباط کے سبب نئی زبان وجود میں آئی جسے دکھنی یا دکنی کے نام سے موسوم کیا گیا۔''[۵]

اسی دور میں ولی نے دکن سے دِلّی کا سفر اختیار کیا۔ شمالی ہندوستان غزل کی روایات سے آگاہ تھا یہ اور بات تھی کہ ابھی تک غزل کے لیے کوئی اعلیٰ معیار تشکیل نہیں دیا گیا تھا۔ غرض جب ولی نے دلّی کا رُخ کیا تو اپنی دکنی روایات کو ساتھ لے کر چلے اور خود شمالی ہندوستان رہ کر وہاں کے اثرات بھی جذب کیے۔ اس عہد میں وہ وہاں کے ایک بڑے بزرگ شیخ سعداللہ گلشن سے ملے جو کہ اُردو اور فارسی کا شعور رکھتے تھے۔ انہوں نے ولی کو فارسی کی طرف راغب کیا۔ گویا ولی فارسی کی طرف متوجہ ہوئے تو ان پر نئے نئے امکانات واضح ہوئے۔ ان کے طرزِ اظہار اور اندازِ بیاں میں مثبت تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ یہ ولی کا کمالِ جوہر تھا کہ اس کے ہاں ہندی و فارسی، دونوں زبانوں کی آمیزش نظر آتی ہے۔ جو کہ ولی کی انفرادیت ہے۔ اس کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ غزل کی روایت مزید پختہ ہوگئی تھی۔ یوں ولی کی شاعری میں نہ صرف فارسی الفاظ و تراکیب دَر آئے تھے بلکہ انہوں نے فارسی مضامین کو بھی اپنی غزل کا حصہ بنا دیا اور یوں اُردو غزل میں فارسی پورے طور سے رچ بس گئی۔ اس دور میں اُردو کو اہمیت حاصل نہ تھی مگر ولی کا یہ کارنامۂ خاص ہے کہ انہوں نے فارسی زبان و بیان کی آمیزش سے اُردو کو قابلِ قدر بنایا اور لوگوں میں اسے قبول عام بخشا۔ بقول ڈاکٹر عبادت بریلوی: ''اُردو کو انھوں (ولی) نے فارسی کے مدِ مقابل لا کھڑا کر دیا۔''[۶]

درحقیقت ولی نے اپنے عہد میں غزل کے معیارات ترتیب دیئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اب ولی کو دیکھ کر باقاعدہ اُردو غزل کا آغاز ہوا۔ ولی کے ہاں عشقِ مجازی اور حُسنِ یار کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ وہ اس کے حُسن اور اس کے سراپا کا کُھل کر بیان کرتے ہیں۔ مقامی رنگ سے عبارت پیکر تراشی نہ صرف ان کی خارجی کیفیات کی عکاسی کرتی ہے بلکہ ان کی داخلی کیفیات و واردات کی بھی جھلک ہے جبکہ اس حُسن پرستی و ادائے محبوب و پیکر پرستی

سے ہوس ولذت پسندی نام کو نہیں ملتی۔

ہے جلوہ گر صنم میں بہارِ عتاب آج لینا ہے اُس کے ناز و ادا کا حساب آج
عالم کا ہوش کیوں کہ رہے گا عجب ہوں میں چکنا ہے اُس کی نین سوں رنگِ شراب آج
اُس کی نگاہ مست سوں معلوم یوں ہوا یکسر کرے گی خانۂ عاشق خراب آج ۷
مدت ہوئی سجن نے دکھایا نہیں جمال دکھلا اپس کے قد کوں کیا نئیں مجھے نہال
گر مضطرب ہیں عاشق بے دل عجب نہیں وحشی ہوئے ہیں تیری انکھاں دیکھ کر غزال ۸

اصل یہ ہے کہ ولی نسوانی حُسن سے متاثر تھے۔ان کی شاعری زیادہ تر انہی تاثرات وخیالات کا بیان ہے۔ گویا ان کے ہاں محبوب کا سراپا ان کی قلبی واردات وکیفیات کا نتیجہ ہے۔وہ عاشقِ بامراد تھے،معشوق کے پیکرِ حُسن کی مجسمہ سازی اور صفات کا بیان چاشنی وگھلاوٹ سے کرتے ہیں۔وہ محبوبِ مجازی کے ایک ایک عضو کا بیان کرتے ہیں کہیں وہ محبوب کے سنہرے مکھ سے متاثر ہوتے ہیں تو کبھی اسے گلِ رعنا و بہارِ حُسن کے ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ان کا محبوب گلِ رخاں کی صفت بھی رکھتا ہے اور چہرۂ گلنار سے بھی موسوم ہو جاتا ہے۔ان کے محبوب کی سرمگیں نگاہیں نازِ حُسن کا پیکر بھی ہیں کہ ولی کا پری رَو معشوق حُسن وادا میں سب سے بڑھ کر ہے۔وہ کبھی محبوب کی زلفوں کا اسیر ہو جاتا ہے تو کبھی اس کی نازک بدنی،چشمِ شرابی،سرو قد،چنچل چال،یاقوت لب،انکھیوں کے ڈورے،نگاہِ گرم اور نازک ادا سے پھسل جاتا ہے اور ایسا بھی ہوا ہے کہ محبوب کے ابرو کمال نے ولی کو تیرِ ملامت کا نشانہ بنایا ہے۔بقول سنبل نگار:

''ولی بنیادی طور پر حُسن وعشق کے شاعر ہیں۔محبوب کے حُسن و جمال کا ذکر،اس کے قد وقامت کا بیان،اس کی مختلف اداؤں کی تصویر کشی،ان کی شاعری کے خاص مضامین ہیں......معاملاتِ حُسن وعشق میں بھی جو موضوع انھیں سب سے زیادہ عزیز ہے وہ ہے محبوب کا سراپا۔وہ اس کے ایک ایک رنگ کا جلوہ سو سو طرح سے دکھاتے ہیں۔اس کی زلف،چشم و ابرو،لب ورخسار،قد وقامت کا بیان بار بار لطف لے کے کرتے ہیں۔ان کے دیوان کا ہر صفحہ اس بیان سے رنگین ہے۔''۹

ڈاکٹر سیّد عبداللہ کہتے ہیں کہ:''ولی کے تخیّل میں کسی خاص حبیب کا نقشہ تھا جس کا سراپا ایک عجیب دل کش انداز میں نمایاں ہے۔''۱۰

وہ مزید کہتے ہیں کہ:

''ان (ولی) کے لیے محبوب کے''مُکھ''میں سب سے زیادہ دل کشی ہے۔یہ مکھ حسن کا دریا ہے۔اس کی جھلک سے آفتاب شرمندہ و بے تاب ہے۔اس کا مُکھ صفحۂ رخسار صفحۂ قرآن ہے۔اس کے بعد درجہ بدرجہ آنکھ اور لب خال (تِل) اور قد غرض سراپائے جسم کی تعریف وتوصیف اتنے عمدہ اور دل کش پیرایہ ہائے بیان میں کہی ہے کہ ولی کو اُردو شاعروں میں سب سے بڑا سراپا نگار کہہ دینے میں کوئی مضائقہ معلوم نہیں ہوتا۔''۱۱

ولی کے پیکرِ محبوب کے اعتبار چند مثالیں ذیل میں ہیں:

؎ کتاب الحُسن کا یہ مُکھ تیرا صفا دستا ترے ابرو کے دو مصرع سوں اس کا ابتداء دستا
ترا مکھ حسن کا دریا و موجاں چین پیشانی اُپر ابرو کی کشتی یوں تل جیوں نا خدا دستا
بیاں اس کی نزاکت ہور لطافت کا لکھوں تا کے سراپا محشر خوبی منیں نازو ادا دستا ۱۲

؎ عبارت تجھ زلف سوں ہے تسلسل ہوا تیری کمر میں گُم تامل
ترے مُکھ کے چمن کوں یاد کر کر دیا لالے نے اپنے دل اُپر گُل
ترے رُخسار و لب کوں دیکھ اے شمع ہوئے پروانہ ہر طوطی و بلبل ۱۳

؎ عاشقاں اُس آتشیں رخسار کے چہرے اُپر پیچ و تاب زلف ہے دودِ چراغ بزمِ حُسن
حُسن کی مجلس کوں جب روشن کیا وہ شمع رَو خوب رویاں سب ہوئے جیوں لالہ داغ بزمِ حُسن ۱۴

؎ جی چل بچل ہوا ہے چنچل تیری چال دیکھ دل جا پڑا خلل میں ترے مُکھ کا خال دیکھ
اے نو بہار حسن تو گلشن میں جب چلا گل کر ہوئے گلاب گلاں تیرے گال دیکھ ۱۵

؎ تجھ مُکھ کی آب دیکھ گئی آب آب یہ تاب دیکھ عقل گئی آفتاب کی
تجھ حُسن کے دریا کا سُنا جوش جب ستی پرنم ہیں اشتیاق سوں انکھیاں حباب کی ۱۶

؎ تجھ مُکھ کا رنگ دیکھ کنولِ جل میں جل گئے تیری نگاہِ گرم سوں گُل گُل پگھل گئے
ہراک کوں کاں ہے تاب جو دیکھے تیری طرف شیراں تری نگاہ کی دہشت سوں ٹل گئے
صافی ترے جمال کی کاں لگ بیاں کروں جس پر قدم نگاہ کے اکثر پھسل گئے ۱۷

مذکورہ بالا اشعار میں ولی کے پیکرِ محبوب کے چہرۂ گلنار و گل رخاں کا تذکرہ زیادہ ہے۔علاوہ ولی کے دیوان کے تقریباً سبھی اشعار محبوب کے سراپا کا بیان ہیں۔ جہاں وہ بڑی ہی دلفریبی و دلکشی سے جمالیاتی حس کو بروئے کار لاتے ہوئے محبوب کے جسم کے تمام تر خدوخال بیان کرتے ہیں۔محبوب کے نازک پیکر کو پیش کرتے ہوئے وہ اس کے ایک ایک عضو کے لیے بھی کئی کئی مترادفات کا استعمال کرتے ہیں۔مثلاً آنکھوں کے لیے انہوں نے ''انکھڑیوں''، ''نین''، ''انکھاں'' اور ''انکھیاں'' کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔محبوب کے حسین چہرے کو بیان کرنے کے لیے ولی کبھی ''ماہِ جہاں''، ''پری رو''، ''چراغِ دل ربائی''، ''خوب رو'' جبکہ اس کے خوبصورت ہونٹوں کے لیے ''شکر لب''، ''جام لب''، ''گل برگ لب''، ''لب کی شیرینی''، ''یاقوت لب'' کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔علاوہ ازیں ''ابرو'' کے ساتھ ''بھواں''، ''خال'' کے ساتھ ''تِل''، ''پیشانی'' کے ساتھ ''جبیں''، ''شوخ'' کے ساتھ ''چنچل'' کے مترادفات بھی مستعمل ہیں۔محبوب کا سراپا بیان کرنے میں ولی نے معشوق کے بدن کی چھوٹی سے چھوٹی خوبیوں کو بھی نمایاں کیا ہے،مثلاً ''نین کی پُتلی'' اور ''انکھیاں میں ڈورے'' وغیرہ کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے۔ڈاکٹر سیّد عبداللہ رقمطراز ہیں کہ:

''ولی، اُردو شاعری میں ایک طرزِ خاص کے مالک ہیں۔وہ حُسنِ مجازی کے شاید سب سے بڑے

اور سراپائے محبوب کے بہت بڑے قصیدہ خواں ہیں۔''[۱۸]

ولی کے پری پیکر معشوق کا حُسن یکتا ملاحظہ ہو:

؎ گیا ہے خوف سوں اُڑ لعل کا رنگ ترے یا قوت لب کی دیکھ لالی
تری انکھیاں میں ڈورے دیکھ کر سرخ بنائی خلق نے ریشم کی جالی [۱۹]
؎ تیرے نین کی دیکھ کے پُتلی کوں اے صنم سر تا قدم ہے صورتِ بت خانہ آئنہ [۲۰]
؎ ہے گُلِ رعنا بہارِ حُسن کا ناز تیرا جو نیاز آمیز ہے [۲۱]
؎ کب لگ رکھو گے طرزِ تغافل کو دل منیں ٹک کان دھر کے حال کسی کا سُنا کرو [۲۲]
؎ دل کوں لگتی ہے دل رُبا کی ادا جی میں بستی ہے خوش ادا کی ادا
اے ولی دل کوں آب کرتی ہے نگہِ چشم سُرمگیں کی ادا [۲۳]
؎ عیاں ہے رنگ کی شوخی سوں اے شوخ بدن تیرا قبائے صندلی میں
جو ہے تیرے دہن میں رنگ و خوبی کہاں پہ رنگ، یہ خوبی کلی میں [۲۴]
؎ کمر اس دل رُبا کی دل رُبا ہے نگہ اس خوش ادا کی خوش ادا ہے
؎ ہوا معلوم تجھ زلفاں سوں اے شوخ کہ شاہ حسن پر ظلِ ہما ہے [۲۵]
؎ گرمی سوں تری طبع کی ڈرتے ہیں سیہ بخت غصے سوں کڑکنا ترا بجلی کی کڑک ہے
تیری طرف انکھیاں کوں کہاں تاب کہ دیکھیں سورج سوں زیادہ ترے جامے کی بھڑک ہے [۲۶]
؎ وفا کر حسن پر مغرور مت ہو وفاداری بہارِ بے خزاں ہے
ہوا تیر ملامت کا نشانہ نظر میں جس کی ود ابر و کماں ہے [۲۷]

اکثر اوقات ولی محبوب کے پیکر کو پیش کرنے میں اپنی ذات کا سراپا بھی بیان کرنے لگتے ہیں۔لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے ولی کی یہ کیفیت،ان کے محبوب کے سراپا حُسن کی بدولت ہے۔مثلاً:

؎ تیرے دہن کوں دیکھ کر اے نو بہارِ عاشقاں جیوں غنچۂ گل ہر سحر جاتا ہوں استغراق میں
آیا ہے جب سوں دید میں وہ نورِ چشم عاشقاں جیوں نور بستا ہے سدا مجھ دیدۂ مشتاق میں [۲۸]

دراصل عشق ولی کی رگوں میں رچا بسا ہوا ہے۔ جہاں انہوں نے پیکرِ مجازی کا جابجا ذکر کیا ہے، وہیں تصوف سے بھی روگردانی نہیں کی۔صوفی رنگ ڈھنگ ہونے کے سبب تصوف اور الٰہیات کے مسائل کو جذبات و کیفیات کے سانچے میں اس طرز سے ڈھالا ہے کہ وہ ان کی شاعری میں پورے طور سے رچ بس گئے ہیں۔انہی مسائل کے بیان سے ولی کے ہاں فلسفیانہ انداز جنم لیتا دکھائی دیتا ہے۔تصوف کے ذریعے حیات و کائنات کے دیگر مسائل کو سمجھنے اور بیان کرنے کی بھی کوشش کی ہے۔مثلاً:

؎ سدا ہم کوں خیال رنگِ روئے یار جانی ہے ہمارے شیشۂ دل میں شراب ارغوانی ہے [۲۹]

؎دیکھا ہے جن نے تیرے رخسار کا تماشا نہیں دیکھتا سُرج کی جھلکار کا تماشا ۳۰

؎ گر آرزو ہے تجھ کوں مقصد کے گل کا کھلنا ٹک بند کر زباں کوں مُکھ میں زبان کے مانند ۳۱

؎عارفاں پر ہمیشہ روشن ہے کہ فنِ عاشقی عجب فن ہے

کیوں نہ ہو مظہر تجلی یار کہ دل صاف مثل درپن ہے ۳۲

؎شغل بہتر ہے عشق بازی کا کیا حقیقی و کیا مجازی کا ۳۳

علاوہ ازیں، ولی نے اپنی غزلوں میں عام پند ونصائح، دُنیا کی بے ثباتی اور غربت وافلاس کے اعتبار سے موضوعات بھی شامل کیے ہیں مگر یہ تعداد میں بہت ہی کم ہیں۔ جبکہ امرد پرستی کے تحت بہت سے اشعار جا بجا نظر آتے ہیں، مثلاً:

؎نشہ سبزی خطِ خوباں والیِ عالم خیال ہوا ۳۴

؎تیرا خط خضر رنگ اے شوخ سلطان ہے خشکی و تری کا ۳۵

؎ تجھ مکھ کا یو تل دیکھ کر لالے کا دل کالا ہوا تجھ دور خط سوں طوق جیوں مہتاب پر ہالا ہوا ۳۶

؎ جاری ہوئے آنسو مرے یو سبزۂ خط دیکھ اے خضر قدم! سیر کر اس آبِ رواں کا ۳۷

اس کے ولی کا انداز بہت سادہ و عام فہم ہے۔ الفاظ کا چناؤ کلام میں ترنم وموسیقیت کا موجب ہے جبکہ انہوں نے تو مترنم ردیفوں اور بحروں کا بھی استعمال کیا ہے۔ بات میں حُسن پیدا کرنے کے لیے کہیں کہیں تکرارِ لفظی کا بھی استعمال نظر آتا ہے۔ ولی کے اشعار میں گجراتی، دکنی اور دہلوی زبانوں کی پیوند کاری نظر آتی ہے۔ ان کے ہاں مقامی زبان کے ساتھ فارسی اور عربی کی آمیزیش بھی دکھائی دیتی ہے۔ وہ ہندی کے ٹھیٹھ الفاظ کا جا بجا استعمال کرتے ہیں مگر اشعار کو بوجھل اور ثقیل نہیں ہونے دیتے۔ علاوہ ازیں ولی کے ہاں متروک الفاظ کا بھی خاصہ استعمال نظر آتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ولی نے اپنی شاعری میں حُسن اور اس کے لوازمات، عشق اور اس کے متعلقات، اس کی حقیقت وواقعیت کی تصویر کشی نہایت خوبصورت لفظ ومعنی سے کی ہے۔

الغرض، ولی نے ایک طرف اپنے مرشد سے عقیدت اور دوسری جانب مجازی یار سے دل لگی سے اپنے شاعرانہ مزاج کو نمایاں کیا ہے۔ ان کی جمال پرستی میں ایک لطیف و پر کیف احساس پایا جاتا ہے۔ ولی کا ایک کمال یہ بھی ہے کہ نہ صرف ان کا انفرادی لب ولہجہ اور اسلوب ہمیں ان کے کلام سے نظر آتا ہے بلکہ ان کا حُسنِ بیان وطرزِ ادا کا یہ حال ہے کہ آج سے تقریباً تین سو سال پہلے کے لکھے گئے اشعار پر آج کا گمان ہوتا ہے۔

مذکورہ مضامین سے اُردو غزل معترف ہوئی تو آئندہ آنے والے دور کے لیے نئی وسعتوں اور امکانات سے مزّین زمین تیار ہوئی۔ درحقیقت ولی ہی وہ صاحبِ طرز شاعر ہے کہ جس نے اُردو غزل کو نیا آہنگ اور نیا ڈھنگ عطا کیا اور اس میں نئے نئے امکانات اور راہیں تلاش کر کے اُردو غزل کو نئے اور بنیادی اصولوں سے روشناس کرایا۔

؎سب چمن کے گُل رخاں کا تو ہے زیب اے گُل بدن گل بدن تجھ سا نہ دیکھا گرچہ دیکھا سب چمن ۳۸

دل لجاتے ہیں اے ولی میرا سرو قد جب خرام کرتے ہیں ۳۹؎

اصل یہ ہے کہ ابتدائی عہد میں دکن میں کوئی خاطر خواہ ترقی نہ ہوئی تھی۔اس کی وجہ یہاں کے نامناسب سیاسی وسماجی اور تہذیبی ومعاشی حالات تھے مگر گردشِ ایام نے اُردو غزل کو نئی راہوں سے متعارف کرایا۔غرض ولی اور سراج کے بعد سے اُردو غزل کو اہمیت ملی۔یہ تیزی سے ترقی کرنے لگی۔دکن میں غزل کو فروغ ہوا۔اس کی بنیاد پختہ ہونے لگی۔نئی نئی روایات اس میں بسنے لگیں۔پھر تو دکن کے بعد شمالی ہندوستان میں بھی غزل کی صحت مند روایات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔درحقیقت ولی نے غزل کو نئے مفاہیم سے آشنا کرایا اور شمالی ہندوستان آ کر یہاں کی طرزِ ادا کو اپنانے کی کوشش کی۔مگر وہ دکن سے تعلق رکھنے کی بدولت اپنی روایات کو یکسر ختم نہ کر پائے تھے،دکن کی خارجیت اور ہندی و بھاشا کے طرزِ ادا میں اعتدال اور توازن کی کیفیت پیدا کی۔گویا یہ تمام رنگ بعد میں شمالی ہندوستان کی غزل میں بھی نمایاں ہونے لگے۔

حوالہ جات:

۱۔ ولی دکنی،''کلیاتِ ولی''،مرتبہ:نورالحسن ہاشمی،(لاہور:الوقار پبلی کیشنز،۱۹۹۶ء)،ص:۷۹

۲۔ قائم چاند پوری،''مخزنِ نطات''،(لاہور:مجلسِ ترقیِ ادب،س۔ن)،ص:۳

۳۔ میر،میر تقی،''کلیات میر''،(لکھنؤ:منشی نولکشور،۱۹۴۱ء)،ص:۳۶

۴۔ جالبی،ڈاکٹر جمیل،''تاریخ ادبِ اُردو''،جلداوّل،(لاہور:مجلسِ ترقیِ ادب،۱۹۸۴ء)،ص:۹۴۔۹۵

۵۔ ساحل احمد،''غزل۔ پس منظر پیش منظر''،(الہ آباد:اُردو رائٹرز گلڈ،۲۰۰۰ء)،ص:۴۹

۶۔ عبادت بریلوی،ڈاکٹر،''غزل اور مطالعۂ غزل''،(کراچی:انجمنِ ترقیِ اُردو پاکستان، ۱۹۵۵ء)،ص:۲۱۹

۷۔ ولی دکنی،''کلیاتِ ولی''،مرتبہ:نورالحسن ہاشمی،ص:۱۲۶

۸۔ ایضاً،ص:۱۶۳

۹۔ سنبل نگار،ڈاکٹر،''اُردو شاعری کا تنقیدی مطالعہ''،(لاہور:دارالنوادر،۲۰۰۳ء)،ص:۲۲

۱۰۔ سیّد عبداللہ،ڈاکٹر،''جمال دوست اسلوب پرست ولی''،مشمولہ:''اُردو کے نمائندہ کلاسیکی غزل گو''(تنقیدی مضامین کا انتخاب)،مرتبین:عامر سہیل،سیّد اور عابد،ڈاکٹر قاضی، (ملتان:بیکن بکس،۲۰۰۲ء)

۱۱۔ ایضاً،ص:۴۴۔۴۵

۱۲۔ ولی دکنی،''کلیاتِ ولی''،مرتبہ:نورالحسن ہاشمی،ص:۷۶

۱۳۔ ایضاً،ص:۱۶۶

۱۴۔ ایضاً،ص:۱۹۳

۱۵۔ ایضاً،ص:۲۲۲

۱۶۔ ایضاً،ص:۲۳۱

۱۷۔ ایضاً،ص:۲۹۹

۱۸۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر، بیک کور ''کلیاتِ ولی ''از ولی دکنی،مرتبہ:نورالحسن ہاشمی،(لاہور:الوقار پبلی کیشنز، ۱۹۹۶ء)

۱۹۔ ولی دکنی،''کلیاتِ ولیؔ''،مرتبہ:نورالحسن ہاشمی،ص:۲۳۴۔۲۳۵

۲۰۔ ایضاً،ص:۲۲۳

۲۱۔ ایضاً،ص:۲۷۶

۲۲۔ ایضاً،ص:۲۱۲

۲۳۔ ایضاً،ص:۸۱

۲۴۔ ایضاً،ص:۸۰

۲۵۔ ایضاً،ص:۲۰۳

۲۶۔ ایضاً،ص:۲۵۷

۲۷۔ ایضاً،ص:۲۸۱

۲۸۔ ایضاً،ص:۲۸۵

۲۹۔ ایضاً،ص:۲۰۱۔۲۰۲

۳۰۔ ایضاً،ص:۲۹۵

۳۱۔ ایضاً،ص:۸۲

۳۲۔ ایضاً،ص:۱۳۵

۳۳۔ ایضاً،ص:۲۸۶

۳۴۔ ایضاً،ص:۹۴

۳۵۔ ایضاً،ص:۵۸

۳۶۔ ایضاً،ص:۹۴

۳۷۔ ایضاً،ص:۱۰۴

۳۸۔ ایضاً،ص:۱۹۰

۳۹۔ ایضاً،ص:۲۴۱

مآخذ:

۱۔ جالبی، ڈاکٹر جمیل، ''تاریخ ادبِ اُردو''، جلد اوّل، لاہور: مجلسِ ترقیِ ادب، ۱۹۸۴ء۔

۲۔ ساحل احمد، ''غزل۔ پس منظر پیش منظر''، الٰہ آباد: اُردو رائٹرز گلڈ، ۲۰۰۰ء۔

۳۔ سنبل نگار، ڈاکٹر، ''اُردو شاعری کا تنقیدی مطالعہ''، لاہور: دارالنوادر، ۲۰۰۳ء۔

۴۔ سیّد عبداللہ، ڈاکٹر، ''جمال دوست اسلوب پرست ولیؔ''، مشمولہ: ''اُردو کے نمائند کلاسیکی غزل گو'' (تنقیدی مضامین کا انتخاب)، مرتبین: عامر سہیل، سیّد اور عابد، ڈاکٹر قاضی، ملتان: بیکن بکس، ۲۰۰۲ء۔

۵۔ عبادت بریلوی، ڈاکٹر، ''غزل اور مطالعۂ غزل''، کراچی: انجمنِ ترقیِ اُردو پاکستان، ۱۹۵۵ء۔

۶۔ قائمؔ چاند پوری، ''مخزنِ نطات''، لاہور: مجلسِ ترقیِ ادب، س۔ن۔

۷۔ میرؔ، میر تقی، ''کلیات میر''، لکھنؤ: منشی نولکشور، ۱۹۴۱ء۔

۸۔ ولیؔ دکنی، ''کلیاتِ ولیؔ''، مرتبہ: نورالحسن ہاشمی، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۱۹۹۶ء۔

☆☆☆